عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

شعبان ۱۴۲۵ھ / اکتوبر ۲۰۰۴ء

جلد سوم: شمارہ: ۲

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
حقوقِ مرید و آداب شیخ	حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ	۳
حفاظتِ قرآن مجید (قسط:۱۰)	سید سعید اللہ مازارہ	۱۰
سفرنامۂ چین (قسط:۴)	انجینئر قیصر علی	۱۵
تبصرۂ کتب	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۱۹
ظاہری اصلاح ہی کو کافی سمجھنا اور اسی میں دین کو منحصر سمجھنا غلطی ہے۔	از: معارفِ حکیم الامت (ڈاکٹر عبدالحیؒ)	۲۱
رمضان المبارک کس طرح گزاریں	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ	۲۷

فی شمارہ: ۱۵ روپے   سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای۔میل: saqi_pak@hotmail.com

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

حقوقِ مُریدو آداب شیخ

میرے حضرت (حضرت سید سلیمان ندویؒ) نے مُجھے لکھا تھا کہ ''بندہ لفظاً پیر ہے اللہ تعالیٰ معناً بھی بنا دے، میں تو کچھ بھی نہیں بزرگوں کے کہنے کے مطابق بیعت کر لیتا ہوں''۔ نسبت کے متعلق فرمایا'' پہلے مناسبت ہوتی ہے پھر نسبت قائم ہوتی ہے۔'' مناسبت اس چیز کو کہتے ہیں کہ شیخ کی باتوں میں انقباضِ عقلی محسوس نہ ہو، وہ جو بات بتائے یا وہ جو عمل کرے اس سے مرید نہ بِدکے، نہ اس پر زبانی یا قلبی اعتراض کرے۔ اگر کوئی بات خلافِ طبیعت دیکھے تو اس کی اچھی تاویل کرے۔ ایک ہوتی ہے بیگانگی، اور ایک ہوتی ہے یگانگی۔ جو اپنا ہوتا ہے اس کے ساتھ معاملہ اور قسم کا ہوتا ہے اور جو غیر ہوتا ہے اس کے ساتھ اور قسم کا معاملہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سلطان محمود (مجلس میں بیٹھا ہوا ایک آدمی) کی دلہن کو اپنے بچہ کی گندگی سے کراہت نہیں آئے گی بلکہ اس کو صاف کرے گی۔ جب یگانگت ہو جاتی ہے تو گندگی میں بھی کراہت نہیں ہوتی۔

شیخ کے تو بُرے اعمال ہوتے ہی نہیں۔ پھر بھی اگر تقاضائے بشری کی وجہ سے کچھ ایسی ویسی بات کرے تو اس کو برداشت کرے۔ شیخ کا رشتہ جو ہے یہ کچے دھاگے کا رشتہ نہیں بلکہ یہ رشتہ ریشم کے دھاگے کا ہے، یہ ٹوٹنے والا رشتہ نہیں اور نہ یہ بیت العنکبوت (مکڑی کا جالا) ہے۔ شیخ بھی بہر حال انسان ہے اگر انسان ہونے کی حیثیت سے کوئی بات غلط صادر ہو جائے تو اس غلط بات کے صدور کے باوجود اگر اس کا کبائر پر استمرار (مسلسل کرنا) نہیں اور گُناہ کو گُناہ سمجھتا ہے اور اگر کبھی لغزش ہو جاتی ہے تو اس پر توبہ کرتا ہے تو ایسی حالت میں اس کے ساتھ تعلق کو قطع نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ بدعتی ہے یا آپ کو گناہ کی دعوت دیتا ہے تو پھر تعلق قطع کرنا چاہئے۔ یگانگت اور اپنائیت جب ہوگی تو اس کے بعد مناسبت ہوگی اور پھر اشتراکِ قلوب ہوگا اور مناسبت قلبی پیدا ہوگی۔ دل کی مثال آئینہ کی ہے اور اگر آئینے متوازی اور شفاف نہ ہوں تو ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینے پر منتقل نہیں ہوتا۔ ایک آئینہ کی سمت مشرق کو ہے اور دوسرے آئینہ کی سمت مغرب کو ہے تو ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے سے کیا لیں گے۔ مناسبت کی بناء پر قلوب کے آئینے متوازی ہو جاتے ہیں۔ اب رہی صفائیِ قلوب تو اس میں پہلی بات یہ ہے کہ شیخ پر اعتراضِ لسانی اور اعتراضِ قلبی نہ ہو۔ نفس میں ادعا (دعویٰ) نہ ہو۔ اعتراض میں بھی اعتراضِ قلبی اشد

ہے کیونکہ دلوں پر اثر زیادہ پڑتا ہے۔ عامتہ الناس سمجھتے ہیں کہ شیخ کو ہمارے اعتراض کا کیا پتہ ہے۔ لیکن جس کی تربیت کسی کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ شیخ پر بات کھول دیتے ہیں اور اس کے تکدّر قلبی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس نہ اعتراضِ قلبی ہو اور نہ اعتراضِ لسانی۔ جب تک اعتراض قلبی نہیں ہوگا تو اعتراض لسانی نہیں ہوگا۔ دعویٰ نہ ہو، شیخ کے سامنے اپنے آپ کو فنا کر کے آؤ۔ اپنی رائے کو فنا کر دو شیخ کے پاس خالی (اعتراض وغیرہ سے) آؤ گے تو بھرے جاؤ گے۔ اور اعتراضوں اور شکوک وشبہات اور دعووّں سے بھرے آؤ گے تو خالی جاؤ گے۔ اگر اس ارادہ سے آؤ گے کہ مُجھے کچھ نہیں آتا تو اللہ اس تواضع اور انکسار پر دے گا۔ شیخ کی باتوں سے تکدر نہ ہو، اگر طبیعت کو نہیں لگتیں پھر بھی اپنے آپ کو لگائے رکھو۔ یگانگت کے بعد جب مناسبت طبعی ہو جاتی ہے۔ تو پھر انقباضِ طبعی بھی نہیں ہوتا اور پھر غیریت بھی نہیں ہوتی۔ جب قلوب یکجا ہو جاتے ہیں اور نسبتیں یکجا ہو جاتی ہیں تو فیضانِ الٰہی ہوتا ہے اور جوؤ رود (فیض کا دل پر آنا) شیخ کے قلب پر ہوتا ہے وہ مرید کے قلب پر بھی ہوتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْب صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ (صحیح مسلم)

ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

یہاں شیخ صرف اپنے قلب کو نہیں پھیرتا بلکہ متوسلین کے قلوب کو بھی پھیرتا ہے۔ (یہ بات گہری ہے) طلب چاہئے کیونکہ طلب مفتاحُ الفیوض ہے فیوض کے لینے کی چابی ہے۔ جتنی طلب کامل ہوگی اُتنی عطاء کامل ہوگی اور یہ سب اخلاصِ تام سے ہوگا۔ اخلاص ہوگا تو شیخ کا انقباض دور ہوگا۔ جب یہ مناسبت قائم ہو جاتی ہے تو پھر شیخ و مرید کے دل متوازی ہو جاتے ہیں اور فیوضِ ربّانی کے لینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ جب شیخ کا قلب مرید کے قلب کے ساتھ مناسبت پالیتا ہے اور ارادۂ الٰہیہ ہو جاتا ہے تو قرب و بعد کے مسائل بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں دینے والی اللہ کی ذات ہے جو اللہ یہاں عطا فرماتا ہے وہ وہاں دوسرے کو بھی دے دیتا ہے۔ روح کے لئے فاصلے کچھ بھی نہیں، پہاڑ، درخت، دریا کے راستے کچھ بھی نہیں۔ اگر ایک شیشہ لگا ہوا ہو اور سورج نکلا ہوا ہو تو اس شیشہ میں پورے کا پورا سورج آجائے گا۔ اس آئینہ کے بالمقابل دوسرا آئینہ ہو تو اُس آئینہ میں بھی دکھائی دے گا۔ اس طور پر فیوضِ الٰہیہ اور فیوضِ نبویہ جب شیخ کے قلب پر وارد ہوتے ہیں تو وہ قلوب جو مناسبت لئے ہوئے ہوتے ہیں اپنی استعداد کے بقدر فیوض کو لے لیتے ہیں۔ یہ ایک فطرتی عمل (Natural

(Phenomenan) ہے۔ جس قدر دل صاف اور شفاف ہوگا اسی قدر اس میں فیوض و برکات کا انعکاس ہوگا۔

رومیوں اور چینیوں کی مثال آپ نے سنی ہوگی۔ ایک بادشاہ تھا اُس نے رومی اور چینی فنکاروں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ ایک کو کہا کہ تم اس دیوار پر نقش ونگار بناؤ اور دوسرے کو کہا کہ تم اس دیوار پر نقش ونگار بناؤ۔ دونوں دیواروں کے درمیان میں پردہ لٹکا دیا۔ چھ مہینے کے بعد جب پردہ ہٹایا تو ہو بہو جو رومیوں کے نقش تھے وہی چینیوں کے بھی نقش تھے۔ بادشاہ بھی حیران تھا کہ یہ کیا ہے ایک بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔ بات کیا تھی کہ رومیوں نے تو نقش ونگار بنائے تھے اور چینیوں نے دیوار کو صیقل (آئینہ کی طرح چمکا دیا) کر دیا تھا۔

ذکر سے دل صیقلِ کامل ہوا   جلوہ فرما وہ مہٗ کامل ہوا

اسی طرح اگر تم اپنے دل کو صیقل کرو تو شیخ کے قلب پر جو فیضان ہوگا وہ آپ کے دل پر بھی ہوگا۔ شیخ کو کیا دیکھتے ہو اپنے اندر ڈوبو۔

ع   کار خود کن کار بیگا نہ مکن۔

ترجمہ: اپنے کام میں لگو دوسرے کے کام میں نہ لگو۔

شیخ راستہ بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ منزل پر پہنچائے گا۔

آب کم جو تشنگی آور بدست   تابہ جو شد آب از بالا و پست

ترجمہ: پانی کم ڈھونڈو پیاس پیدا کرو تا کہ اوپر نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارنا شروع کر دے۔

صحیح معنوں میں تشنگی پیدا کرو تا کہ نیچے اور اوپر سے پانی اُبل پڑے۔ شیخ کی مجلس میں اپنے کو دیکھو یا شیخ کو دیکھو، دوسرے رفقاء کے ساتھ شیخ کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کو نہ دیکھو۔ اس سے تحاسد و تباغض (آپس میں حسد اور بغض) پیدا ہوگا اور اس سے بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ اچھے اچھے اس میں برباد ہوئے ہیں۔ نظام الدین اولیآءؒ کے خدّام میں تین آدمی تھے۔ ان کو یہ تمنا ہوتی تھی کہ اب یہ ملے گا اب وہ ملے گا۔

تو رہ نورد شوق ہے، منزل نہ کر قبول   لیلیٰ بھی ہم نشین ہو تو محمل نہ کر قبول

بس یہ حالت ہو کہ۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں   خدا کے لئے میں خدا چاہتا ہوں

طلبِ مشیخت (پیر بننے کی طلب) اور خلافت اس راہ کے بُت ہیں۔ یہ تینوں خدام حضرت کی خدمت میں رہنے لگے۔ چند دن کے بعد حضرت نے ایک کو خلافت دی۔ اب جو باقی دو ساتھی تھے اُنہوں نے آپس میں باتیں شروع کیں۔ ایک نے ایک بات کی دوسرے نے دوسری بات کی۔ کہ ہم تو خدمتیں کر کر کے تھک گئے اور خلافت دوسرے کو ملی۔ ہم کتنے عرصے سے انتظار میں ہیں اور یہ نو وارد آیا اور لڈو پیڑے لے گیا۔ یہاں بھی اندر کچھ گڑ بڑ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

بلبن بادشاہ کا زمانہ تھا خدا کی شان بلبن نے ایک ہاتھی حضرت سلطان جی کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ جب ہاتھی پہنچا یہ چاروں (تین پُرانے اور ایک نیا جس کو خلافت عطا کی گئی تھی) بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ بادشاہ کا ہدیہ ہے اگر رد کروں تو اچھی بات نہیں لیکن اس کو رکھیں گے کس جگہ؟ اس کو میرے کوٹھے کی چھت پر چڑھا دو۔ یہ پُرانے تین بزرگ جو تھے اُنہوں نے کہا کہ حضرت آپ بھی مذاق کرتے ہیں ہاتھی بھی کبھی کسی نے کوٹھے کی چھت پر چڑھایا ہے۔ اور نو وارد جس کو خلافت دی تھی وہ بغیر تامل ٹانگوں سے لپٹ گیا اور زور لگانے لگا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم میں اور اس میں یہ فرق ہے۔ باہمی تحاسد اور تباغض بہت ساروں کی راہ کو مار لیتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (سنن ابی داؤد)

حسد نیکیوں کو ایسے کھا لیتا ہے جیسے آگ ایندھن کو۔

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے برتاوے کو دیکھے۔ کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن۔ اگر یہ حالت رہے گی تو بات چلتی رہی گی۔ ورنہ کہیں نہ کہیں شیطان اڑنگا لگائے گا۔

تکوینی رُخ کے جو لوگ ہوتے ہیں ان کو صاحبِ خدمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بڑے بڑے کاموں کا سبب بنا دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ذی وجاہت ہوں تو پھر اہلِ دُنیا ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے کسمپرسی اور پھٹے پُرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ ایک صاحب خدمت بزرگ تھے ان کے پاس دارشکوہ بھی گئے اور اورنگزیب عالمگیر بھی گئے۔ جس وقت دارشکوہ ان کے پاس گئے تو اس صاحبِ خدمت بزرگ نے اس کو مسند پیش کی تو اُس نے کہا کہ حضرت میں اس مسند پر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ پوچھا

کہ کس لئے حاضر ہوئے کہا کہ تخت و تاج ملے ۔انھوں نے کہا کہ میں نے تو پیش کیا تھا لیکن تو نے قبول نہیں کیا۔اس کے بعد اورنگزیب عالمگیرؒ گئے تو ان کو بھی مسند پیش کی اورنگزیبؒ بے تکلف اس پر بیٹھ گئے ۔ کہا کہ تخت و تاج کے لئے آیا ہوں کہا کہ تخت تو پیش کر چکا ہوں اور تاج وہ پیش کرے گا جو آپ کو وضو کراتا ہے۔ یہ واپس آئے اور وضو کرنے والے کو کہا کہ پگڑی میرے سر پر رکھ دے اس نے پگڑی سر پر رکھ دی۔اور پھر اس نے کہا کہ اب میرا راز فاش ہو گیا مُجھے اجازت دیں کہ میں رخصت ہو جاؤں۔ان لوگوں کا بہت ایسا ویسا حال ہوتا ہے۔ دو طرح کی بادشاہتیں چل رہی ہیں فیصلے تو اوپر سے ہوتے ہیں اور وہ عقائد اور اعمال کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔اُمتِ اجابت (مسلمانوں) کے ایمان و عقائد و اعمال اچھے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ خیر کے فیصلے فرمائیں گے اور اگر اُمت کے عقائد و اعمال خراب ہوں گے تو اوپر سے فیصلے بھی اچھے نہیں ہوں گے۔ یہ اہلِ خدمت تغیر و تبدل نہیں کر سکتے ،ان کی مثال اجراء کرنے والے کی ہے، جو حکم ملتا ہے وہ پورا کر دیتے ہیں۔باطنی نظام کی جڑ اہلِ ارشاد کے پاس ہے لیکن تنفیذ کی جو ظاہری صورتیں ہیں وہ اہلِ خدمت کے پاس ہیں۔اہلِ ارشاد لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو نیکیوں پر ڈالتے ہیں تو خیر کے فیصلے ہوتے ہیں اور ان کو اہلِ خدمت نافذ کرتے ہیں۔محمد بن قاسم کے وقت میں اسلام جماعتی تاثر سے پھیلا ہے۔جس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ہندوستان و پاکستان میں دین آئے تو ظاہر کے لحاظ سے مسلمان حکمرانوں کو بھیجا اور باطن کے لحاظ سے اہلِ ارشاد و اہل خدمت آتے رہے۔اہلِ خدمت اپنے آپ کو چھپاتے ہیں اس لئے لوگوں کو ان کا زیادہ پتہ نہیں ہوتا۔اگر ہندوستان کی تاریخ پر آپ نگاہ ڈالیں تو آپ کو دو متوازی نظام نظر آئیں گے۔ایک فقراء کا اور ایک اہلِ سلطنت کا۔سلطان محمود غزنویؒ کے حملوں سے اللہ پاک نے چاہا کہ لاہور تک ہدایت پھیلے۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کو بھیجا اور ان کے ذریعہ سے دین کا ایک رُخ چلا۔اس کے بعد شہاب الدین غوری آئے۔ شہاب الدّین کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے معین الدّین اجمیریؒ کو بھیجا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیریؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک معنی میں خدمت بھی عطا کی تھی۔سلطنتِ ہند کی عمومی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ متعلق کیا تھا۔ ہند کے قلب میں بٹھا دیا گیا۔دہلی میں اپنے خلفاءؑ کو بھیجا۔حضرت بختیار کاکیؒ دہلی میں رہے۔فرید الدین گنج شکرؒ پاکپتن کے علاقے میں فروکش ہوئے۔وٹو وغیرہ قومیں حضرت گنج شکرؒ کے ہاتھوں مسلمان ہوئی

ہیں۔ ان کے مُریدین میں ایک طرف سلطان جی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی اور حضرت علاؤالدّین صابر کلیریؒ کو کلیر شریف میں بٹھایا۔ کشمیر میں اللہ تعالیٰ نے شیخ ہمدانیؒ سے کام لیا۔ دین زیادہ اولیاء اللہ اور صوفیاء کے ذریعہ سے پھیلا ہے۔ سیدنا نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں یہ نوعیت تھی کہ گویا آپ تمام ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔ اُنہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء بھجوائے۔ جنوبی ہند تک ان کے خلفاء پہنچے ہیں۔ پھر اُن کے خلفاء کے خلفاء سے دین چلتا رہا۔ جیسے دیے سے دیا جلتا ہے۔ پنجاب میں بہار اور بنگال میں ان کے خلفاء سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔ ملتان کے علاقے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو بھیجا، ان سے اور ان کے بیٹے صدرالدّین عارفؒ سے اللہ تعالیٰ نے ملتان کے علاقے میں دین کا کام لیا۔ عراقیؒ زکریا ملتانیؒ کے مُرید تھے، ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے سہروردیہ سلسلہ کو فروغ بخشا۔ یہ سب اہل اللہ اور صوفیاء بھائیوں کی طرح چل رہے تھے۔ بنگال و بہار میں اللہ تعالیٰ نے شرف الدّین یحیٰ منیریؒ سے دین کو پھیلایا۔ اُن کا عجیب معاملہ تھا، پہلے بہت مجاہدات کیئے پھر طلبِ شیخ میں پنجاب آئے، کوئی نہ ملا، دہلی میں نظام الدّین اولیاءؒ کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے کہا کہ تیرا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ انہی دنوں دہلی میں کبرویہ سلسلہ کے ایک بزرگ نجیب الدّین فردوسی بھی موجود تھے، ان کی زیادہ شہرت نہیں تھی۔ آپ ان کے پاس بھی گئے اور ان سے بیعت کی۔ بیعت کے بعد اُنہوں نے رخصت کیا اور کہا کہ اس خط کو فلاں جگہ پہنچ کر پڑھ لینا۔ جب خط کھولا تو اس میں اجازت وخلافت تھی اور یہ نصیحت کی تھی کہ واپس دہلی نہ آنا۔ جس وقت خط پڑھا اس وقت شیخ کا انتقال ہو گیا اور نسبت بھی آپ کو منتقل ہو گئی۔ راستے میں جنگلوں میں چلے گئے وہاں انتہائی مجاہدات کیئے اور چلہ کشّیاں کیں۔ بعد میں مریدوں اور لوگوں کے تقاضا سے شہر میں آ گئے۔ بہار، بنگال اور اڑیسہ میں بہت فیض پھیلا۔ جیسے حضرت مجدد سرہندیؒ، آدم بنوریؒ اور خواجہ معصومؒ کے مکتوبات سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں ویسے ہی مکتوباتِ صدی جو شیخ یحیٰ شرف الدین منیریؒ کے تربیتی خطوط ہیں وہ بھی سلوک کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ اٹک میں جو بزرگ ہیں ان کا نام حضرت جی بابا مولانا یحیٰ ہے نقشبندی مجددی نسبت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں بنوں تک صحابہ پہنچے اور بھڑوچ میں بھی پہنچے ہیں۔ قلات وخضدار کے علاقے میں اس وقت ’میڈ‘ قوم آباد تھی۔ اس علاقے کی رپورٹ یہ دی گئی تھی کہ یہاں کا پانی کڑوا

ہے اور زمین شور ہے۔ جب صحابہ نے سنا تو کہا کہ ایسے علاقے میں کیا کریں گے۔ مالابار کے علاقے میں جو مہم بھیجی گئی تھی ان کی رپورٹ تھی کہ یہاں کا پانی موتی ہے پہاڑ یاقوت ہیں اور پیداوار خوشبو ابلتی ہے۔ مسلمان تو بہت پہلے اس علاقے میں آئے تھے اور یہاں کی موبلے، نواتی وغیرہ قومیں جو مالابار کے ساحل پر آباد ہیں عربی النسل ہیں۔ مالک بن دینارؒ کی قبر کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ۹۳ھ میں سیلون میں مسلمانوں کی موجودگی کے ثبوت موجود ہیں "Islam in China" میں بروم ہال نے لکھا ہے کہ کینٹن میں مسلمان ۲۹ھ میں پہنچے ہیں اور وہاں ایک مسجد بھی بنائی تھی۔ اس نے مسجد کی تصویر بھی دی ہے اور لکھا ہے کہ مسجد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بنائی تھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اساطین صحابہ میں سے ہیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ وہ چین نہیں گئے، یہ کوئی اور صحابی ہوں گے جن کے نام پر کینٹن میں مسجد بنی ہے۔ بدرالدّین چینی جس نے انڈونیشیا میں تعلیم حاصل کی تھی پھر ندوۃ العلماء لکھنو میں بھی تعلیم حاصل کی، اس نے دو کتابیں لکھی ہیں ایک ہے ''عرب و چین کے تعلقات'' اور دوسری ہے ''چینی مسلمان'' اس نے بھی چین میں مسلمانوں کی آمد کے متعلق معلومات مہیا کی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرامؓ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کا شکر ہے ہم حیا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حیا نہیں ہے بلکہ جو اللہ تعالیٰ سے ایسے حیا کرنا چاہتا ہے جیسے حیا کرنے کا حق ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے سر کا اور جو کچھ اس میں خیالات آتے جاتے ہیں ان کی (گناہوں سے) حفاظت کرے، اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرتا ہے اس کی (حرام سے) حفاظت کرے، اور چاہئے کہ موت کو اور اپنے مٹی ہو جانے کو یاد کرے، اور جو آخرت کے (پورے لطف لینا) چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت (اور آسائش و آرام) چھوڑ دے۔ جس شخص نے یہ کیا اس نے اللہ سے پوری حیا کی۔

☆☆☆☆☆

سید سعید اللہ مازارہ

حفاظتِ قرآن مجید (قسط:۱۰)

حرقِ مصاحف بعہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

جمعِ قرآن بعہد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جن احادیث کی روایت کی گئی ہے ان میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جب قرآن مجید مصحف میں جمع کیا گیا اور اس سے مصاحف نقل کیے گئے تاکہ خلافتِ اسلامی کے مختلف اطراف کی طرف روانہ کئے جائیں، تو آپؓ نے ان مصاحف اور حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں جمع شدہ صحف کے ماسوا باقی تمام صحائف اور مصاحف کے جلانے کا حکم صادر فرما دیا۔ (صحیح بخاری ۲:۷۴۶)

یہ صحائف اور مصاحف تین قسم کے تھے جن کے جلانے کے بغیر وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا جس کے پیش نظر آپؓ کی خلافت میں قرآن کی اس جمع کی ضرورت پیش آئی تھی۔ یہ صحف اور مصاحف بالترتیب حسبِ ذیل ہیں:

(۱) وہ صحیفے جو وحی کے نازل ہونے کے زمانہ میں لکھے گئے تھے۔

(۲) وہ لاتعداد صحائف اور مصاحف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے اپنے لئے انفرادی طور پر لکھے تھے۔

(۳) وہ صحف جو حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں باجماعِ صحابہ جمع کئے گئے تھے۔ چنانچہ تینوں اقسام کے صحف اور مصاحف کا جلانا ضروری تھا۔

صحائف عہدِ نزول: اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کے نازل ہونے کے ساتھ ہی کسی کاتب سے اپنے روبرو ان کے لکھوانے کا انتظام فرمایا تھا، مگر نہ تو ہر ہر سورت کی تمام آیات مرتب طور پر نازل ہوئی تھیں اور نہ ہی سورتیں یکے بعد دیگرے مرتب طور پر کہ ایک سورت کے مکمل ہوجانے کے بعد دوسری سورت کا نزول شروع ہوجاتا، بلکہ کئی سورتوں کا نزول بیک وقت جاری رہتا تھا۔ جب آیات نازل ہوجاتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے۔

ضُعوا هٰولاء الایات فی السورة التی یذکر فیها کذاو کذا (الحاکم: المستدرک ۲:۲۲۱)

ترجمہ: ”ان آیات کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔“

نیز صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر متفرق نوشتوں سے سورتوں کی آیات اپنی اپنی سورت میں مرتب طور پر اکٹھا کر دیتے۔ جیسا کہ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: **کُنَّا عند النَّبِیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نُؤَلفُ القرآن من الرقاع** ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید رقاع (چمڑے کے ٹکڑوں) سے جمع کیا کرتے تھے۔''

چونکہ صحابہ کرامؓ کے حافظے قوی تھے، یاد کرنے میں ان کو کسی قسم کی دشواری نہیں تھی اس لئے جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سورتوں کی آیات یاد کرواتے اور جس ترتیب سے نماز میں اور نماز سے خارج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اسی ترتیب سے قرأت کرنے، یاد کرنے اور یاد کروانے کا ان کو حکم تھا اور جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی سورتوں کو حزب حزب کر کے روزانہ ایک ایک حزب کی تلاوت کے پورا کرنے کا اہتمام فرماتے۔ ﴿چنانچہ ایک دفعہ آپؐ بنو ثقیف کے وفد کے لیے جلدی سے باہر تشریف نہیں لائے تو آپؐ نے ان کی دل جوئی کی خاطر قرآن مجید کے حزب کو پورا کرنے کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا **طَرءَ عَلَیَّ حِزُب مِنَ القرآن فاردتُ ان لا اخرُجَ حتّٰی اَقْضِیہٗ** کہ مجھ پر قرآن مجید کا ایک حزب (منزل) طاری ہو گیا تھا (یعنی قرآن مجید کی ایک منزل پڑھنا معمول بن گیا تھا) چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ جب تک اسے تمام نہ کرلوں اس وقت تک باہر نہ نکلوں (الاتقان ا:۶۳)﴾ اسی طرح صحابہ کرامؓ نے سورتوں کے طویل اور قصیر (مختصر) ہونے کے اعتبار سے پہلا حزب تین سورتوں کا، دوسرا حزب پانچ سورتوں کا، تیسرا حزب سات سورتوں کا، چوتھا حزب نو سورتوں کا، پانچواں حزب گیارہ سورتوں کا، چھٹا حزب تیرہ سورتوں کا اور ساتواں حزب سورۂ ''ق'' سے آخر قرآن تک، ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات احزاب مقرر کیے تھے۔ چنانچہ جس طرح صحابہ کرامؓ سورتوں میں آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب طور پڑھتے اسی طرح سورتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تلاوت کے مطابق حزب حزب کر کے مرتب طور پر پڑھتے۔ مگر کتابت میں دشواریاں تھیں کیونکہ عرب اُمّی تھے۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ (الجمعہ:۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔

نہ خط وکتابت عام تھی اور نہ کتابت کی اشیاء بآسانی مہیا ہو سکتی تھیں اس لئے صحابہ کرامؓ اس پر مکلّف نہیں کیئے گئے تھے کہ جب بھی آیات نازل ہوں تو ان کو اپنی اپنی سورت کی متعین جگہ میں لکھ کر ان کے نوشتے

اپنے پاس رکھیں جیسا کہ ان کو مرتب طور پر قرأت کرنے کا حکم تھا۔اس بناء پر بعض صحابہ حافظ کی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے انساب واشعار کی طرح قرآن مجید کو صرف یاد سے پڑھنے پر اکتفا کرتے۔اور بعض صحابہ یاد سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھجور کی شاخوں کی ڈنٹھلوں، پالان کی تختیوں، باریک پتھروں اور چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ اشیاء پر لکھتے بھی تھے۔

کئی سورتوں کا نزول کا بیک وقت (الحاکم: المستدرک ۲:۲۲) جاری ہونے کی بنا پر ایک صحابی کے پاس ایک نوشتہ ایک سورت کا اور دوسرا نوشتہ دوسری سورت کا ہوتا تھا۔اور ایک ہی سورت کا ایک حصہ ایک صحابی کے پاس ہوتا تھا اور دوسرا حصہ دوسرے صحابی کے پاس۔اس طرح کسی سورت کے نوشتے میں ان کے درمیان نئی نازل شدہ آیات کا رکھنا بھی ناممکن ہوتا۔اس لئے جن جن حضرات صحابہ کے پاس نزول وحی کے وقت کی سورتوں کے صحف بھی اگر ہوتے تو اس میں یہ ضروری نہ تھا کہ یہ سورتیں اپنی آیات پر مشتمل ہوں اور انکی آیات اپنی اپنی سورت کے صحیفہ میں مرتب طور پر لکھی گئی ہوں۔﴿چنانچہ سورۂ بقرہ نو سال میں نازل ہوئی ہے کیونکہ تحویل قبلہ اور روزہ کی فرضیت سے متعلقہ آیات ہجرت کے دوسرے سال کے اوائل میں نازل ہوئی ہیں اور آیت نمبر ۲۸۱ و اتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰه (الآیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے سے نو رات قبل نازل ہوئی (مناھل العرفان: الجزء ۱۱ الثانی ص ۳۴)﴾

بعض آیات کی تلاوت

"ما نَنسَخ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا" (البقرہ:۱۰۶)

ترجمہ: ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت (ہی) کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں۔

کی بناء پر منسوخ ہو چکی تھی جیسا کہ ہر رمضان کے معارضہ میں ایک حکمت یہ بتائی گئی ہے۔ تبقية مَالَمْ ينسخ وَرَفْعَ مَانَسَخَ (جو آیات منسوخ نہیں ہوئی ہوں وہ باقی رکھی جائیں اور جو منسوخ ہو چکی ہوں وہ مٹائی جائیں۔) اس لئے بعض صحابہ کرامؓ کے نوشتوں میں منسوخ التلاوت آیات کی بیشی بھی ہوتی تھی۔

ان وجوہات کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں نزول وحی کے زمانہ کے لکھے ہوئے صحائف کمی بیشی کی لحاظ سے، سورتوں میں آیات کی ترتیب کے لحاظ سے، اور سورتوں کی آپس میں ترتیب کے لحاظ سے مختلف ہو سکتے تھے۔ان نوشتوں سے ہر ہر سورت کی آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق اپنی سورتوں میں اور سورتوں کو عرضۂ اخیرہ میں پڑھی ہوئی ترتیب

کے مطابق مصحف میں تو جمع کیا گیا۔ (جیسا کہ علامہ بغوی نے شرح السنہ میں کہا ہے: المصف الذی استقر علیه الاسر هر اٰخر العرضات علیٰ رسوال الله صلی الله علیه وسلم فاسر عثمانؓ ، بنسخهٖ فی المصاحف وجمع الناس علیه (الزرکشی :البرهان فی علوم القراٰن) ''یعنی وہ مصحف جس پر امت جمع ہوئی وہ آخری عرضہ کے مطابق ہے۔ حضرت عثمان نے مصاحف میں اسکے لکھنے کا حکم فرمایا اور لوگوں کو اس پر جمع کیا۔'') لیکن اگر یہی نوشتے ان کے پاس چھوڑے جاتے تو مستقبل میں جب آئندہ نسلیں ان نوشتوں میں سورتوں کی آیات کی ترتیب کا اختلاف اور سورتوں کی آیات میں کمی بیشی دیکھتیں تو ان کے درمیان افتراق کا وہ خطرہ یقینی تھا جس کے بارے میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے حضرت عثمانؓ کو فرمایا

ادرک هٰذه الامة قبل ان یختلفوا فی الکتب اختلاف الیهود والنصاری (صحیح بخاری)

ترجمہ: ''اس امت مسلمہ کے یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں باہم مختلف ہونے سے پہلے ہی اس کی خبر لے لیجئے۔'' اس لئے آپؓ نے ان صحائف اور مصاحف کے جلانے کا حکم فرمایا۔

دوسری قسم وہ لاتعداد صحائف اور مصاحف جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے انفرادی طور پر اپنے لئے لکھا تھا۔ اس قسم میں حضرت ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، علیؓ، ابن عباسؓ ، ابوموسیٰ الاشعریؓ، حضرت حذیفہؓ، انس بن مالکؓ، عمر الفاروقؓ، زید بن ثابتؓ، ۔ ابن زبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ، سالمؓ، ام سلمہؓ اور عبید بن عمیرؓ کے مصاحف کا ذکر روایات میں آیا ہے۔ (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف ۵۰ تا ۷۰)

ان حضرات کرام میں کسی نے بھی نہ ان مصاحف کی نشر و اشاعت چاہی تھی اور نہ ایک دوسرے کے مصحف کی مخالفت کی تھی۔ سات احرف سے نزول کی بنا پر ان کا آپس میں بعض جگہوں میں حرف کے اختلاف کے اور بعض سورتوں کی تقدیم و تاخیر کے اور بعض مصاحف میں منسوخ التلاوت آیات کے لکھنے کی وجہ سے ان مصاحف کو باقی رکھنے کی صورت میں بھی مستقبل میں امت کے افتراق کا خطرہ تھا۔ اس لئے ان کا جلانا بھی ضروری سمجھا گیا۔

تیسری قسم قرآن مجید کی تمام سورتوں کے وہ صحف جو رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں باجماعِ صحابہؓ اس طرح سے لکھے گئے تھے کہ ہر ہر سورت کی تمام آیات مرتب طور پر اپنی اپنی سورتوں میں جمع کی گئی تھیں۔ کوئی آیت ایسی نہیں رہی تھی جو اپنی سورت کی اپنی جگہ میں نہیں لکھی گئی ہو۔ سورتوں کے ان صحف میں منسوخ التلاوت آیات نہیں لکھی گئی تھیں۔ چونکہ اس جمع

کا مقصد یہی تھا کہ قرآن مجید کی وہ تمام آیات اپنی اپنی سورتوں میں مرتب طور پر باجماع صحابہ جمع کی جائیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی اور جن کی کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب سے اپنے روبرو فرمائی تھی، لیکن اس مقصد سے جمع نہیں کئے گئے تھے کہ اس کے مطابق مصاحف بھی لکھے جائیں اس لئے اس جمع میں سورتوں کے صحف کا آپس میں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور سات احرف سے جمع کئے گئے تھے۔اس لئے اگر یہ صحف بھی محفوظ رکھے جاتے تو اس سے بھی امت میں اختلاف کے پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کا حضرت حفصہؓ کو صحف کے واپس کرنے کے وعدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ان کا جلانا بھی ضروری سمجھتے تھے مگر حضرت حفصہؓ کے اصرار پر ان کو واپس کیے گئے۔مروان بن حکم کے دورِ حکومت میں حضرت حفصہؓ جب وفات پا گئیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ صحف بھی مروان کے حوالہ کئے تا کہ ان کو بھی ختم کیا جائے۔

اس طرح قرنِ اوّل میں باجماعِ امت تینوں قسم کے صحائف اور مصاحف ختم کئے گئے اور امت کو قرآن مجید میں اختلاف کرنے سے بچایا گیا۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۲ سے) تو آدمی کہے گا یا اللہ تو تو بھوک سے بیماری سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ کہے گا میرا فلانا بندہ بھوکا تھا اگر تو نے اس کا پوچھا ہوتا تو گویا اللہ تعالیٰ کو کھانا کھلایا ہوتا، میرا فلانا بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کے لیے گیا ہوتا تو مجھے بھی وہاں پاتا۔

عبدالرحمٰن بابا کی قبر تین سو انتالیس سال بعد کھولی گئی تھی، صحیح سالم مع کفن کے تھا۔اور سیٹھی کریم بخش کی قبر اٹھارہ سال بعد کھولی گئی تھی صحیح سالم تھا اور اس پر غسل کے پانی کے قطرے موجود تھے۔ یہ کوئی عالم، کوئی بزرگ، کوئی صوفی نہیں تھا بلکہ یہ تاجر تھا۔لیکن اتنا سخی آدمی تھا کہ کسی جگہ بھی پشاور میں کوئی خیر کا کام ہوا ہے تو اس میں اس کے پیسے لگے ہیں، اسلامیہ کالج کی مسجد ساری اس نے بنائی ہے، اونچے درجے کے اولیاء اللہ کی طرح اس کا بدن محفوظ ہے۔تو ایسے اللہ کے بندے ہوتے ہیں کہ نہ راتوں میں قیام کے لیے کھڑے ہوئے، نہ بخاری اور مسلم پڑھی اور نہ دورۂ تفسیر کیا لیکن اپنے پیسوں سے ولایت بھی خرید لی اور جنت بھی خرید لی۔تو اس کی ذرا کوشش کریں۔

☆☆☆☆☆

انجنیئر قیصر علی

سفرنامۂ چین (قسط:۴)

چین کی سیر:

بیجنگ میں بہت سے تاریخی مقامات ہیں۔ ۸ نومبر ۲۰۰۳ کو ہمیں ان مقامات کی سیر کرائی گئی۔ ان میں سب سے مشہور دیوارِ چین ہے۔ جو دنیا کے سات عجوبوں میں سے ایک ہے اور یہ زمین پر واحد تعمیر ہے جو چاند سے بھی نظر آتی ہے۔ صبح سویرے ۸ بجے ہم دیوارِ چین دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔ رات کو خوب برف باری ہوئی تھی لہٰذا ہر جگہ برف ہی برف نظر آرہی تھی۔ بس میں ایک خاتون گائیڈ چین کے بارے میں مہمانوں کو آگاہ کرتی رہی۔ وہ بتا رہی تھی کہ دیوارِ چین کی کل لمبائی ۶۷۰۰ کلومیٹر ہے (پشاور سے کراچی صرف ۱۶۰۰ کلومیٹر ہے) یہ دیوار ۷۰۰ قبل مسیح چینیوں نے منگولوں کے حملوں سے بچنے کے لیے بنائی تھی۔ اپنی اس طویل لمبائی میں یہ دیوار پہاڑوں، چراگاہوں اور صحراؤں میں سے گزرتی ہے۔ آج بھی یہ کہیں کہیں اپنی اصل حالت میں موجود ہے لیکن اس کا اکثر حصہ تباہ ہوچکا ہے۔ بیجنگ شہر کے قریب سے گزرنے والی دیوارِ چین کو Badaling wall کہتے ہیں۔ Badaling ان پہاڑیوں کا نام ہے جس کے اُوپر یہ دیوار بنائی گئی ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم دیوارِ چین پہنچے۔ بس سے اُترے تو دیکھا کہ ایک وسیع و عریض علاقے پر لوگوں کا جم غفیر پھیلا ہوا ہے جس میں تقریباً دنیا کی ہر قوم و نسل کے لوگ موجود ہیں۔ بیجنگ میں یہ کہاوت مشہور ہے کہ جو دیوارِ چین پر نہیں چڑھا وہ مرد ہی نہیں۔ لہٰذا ہم نے بھی کمر باندھی، ہم تینوں پاکستانی روزے سے تھے لیکن الحمدللہ تینوں دیوارِ چین پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے۔ برف باری کی وجہ سے کافی پھسلن تھی سارے ساتھی گرتے پڑتے رہے، میں بھی دو تین بار گرا ایک دفعہ چوٹ بھی لگی۔ ہندوستان کے پرمود کے علاوہ سب لوگوں نے دیوارِ چین سر کر کے مردانگی کا اعزاز حاصل کرلیا۔ پرمود کہہ رہا تھا کہ میرا وزن زیادہ ہے اور بلاضرورت جان جاکھوں میں ڈالنا کہاں کی مردانگی ہے؟ اُس نے بس سے اُتر کر چند تصاویر اُتاریں اور پھر بس میں بیٹھ گیا۔ دیوارِ چین پتھروں کو چونے کے گارے میں چن کر بنائی گئی ہے۔ پہاڑوں کے اُوپر اس کی دیواروں کی اُونچائی تقریباً ۲۶ فٹ اور چوڑائی ۱۸ فٹ ہے۔ یہ انسانی حوصلہ و ہمت کی ایک لرزا دینے والی داستان سناتی ہے۔ پہلی مرتبہ یہ دس سال کے عرصے میں مکمل ہوئی۔ اور تقریباً ۲۵ ہزار سے زیادہ لوگوں نے اسکی تعمیر میں حصہ لیا۔ بعد میں اسکی مرمت اور توسیع بھی ہوتی رہی۔ اب بھی چینی حکومت اسکو محفوظ رکھنے کے لیے اس کی تعمیر و مرمت کرتی رہتی ہے۔ واپسی پر کئی دُکانیں دیکھیں جو Souvenir بیچ رہے تھے جس پر

لکھا ہوتا تھا کہ جناب فلاں ایک مرد ہے اور اس نے دیوار چین کو سر کرلیا ہے۔ میں نے بھی اپنے لیے ایک Souvenir بنالیا۔ باقی ساتھیوں نے بھی اپنے اپنے لیے خریدے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یر مود کا پتہ چلاؤں کہ اُس نے Souvenir خریدا کہ نہیں لیکن میں کامیاب نہ ہوسکا۔

بیجنگ میں ایک اور مشہور جگہ Ming tombs ہیں۔ یہ مِنگ بادشاہوں کے مقبرے ہیں۔ دیوار چین سے واپسی پر ہم اِدھر بھی گئے۔ مِنگ بادشاہوں کی حکومت ۱۳۶۸ء تا ۱۶۴۴ء گزری ہے۔ ان بادشاہوں میں سے جو بھی مرتا تو اُس کو اُسکے مال و دولت سمیت دفنا دیتے۔ اور اس ڈر سے کہ کوئی ان کے مال و دولت کو نکال نہ لے اُنھوں نے زمین میں تقریباً ۸۰ فٹ نیچے سرنگیں کھودی تھیں ان سرنگوں کا کل رقبہ تقریباً ۴۰ مربع میل ہے جس میں ۱۳ بادشاہ، ۲۳ ملکائیں دفن ہیں۔ ۱۹۵۶ء تک ان سرنگوں تک جانے کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ اس سال ایک چینی ماہر آثار قدیمہ نے ان سرنگوں تک جانے کا راستہ معلوم کرلیا۔ جس کے بعد یہ جگہ سیاحوں کی دلچسپی کا باعث بنی۔ زیر زمین سرنگوں میں ایک بڑا ہال ہے جس کے درمیان کوئی ستون نہیں ہے اسکی چھت پتھر کی بڑی بڑی سِلوں کو آپس میں چونے کے گارے سے جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ اندر ڈاٹ (Arch) کے موٹے موٹے ستون بھی ہیں گائیڈ نے بتایا کہ یہ درخت چھت کو سہارا دینے کے لئے نہیں بلکہ خوشبو دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ میں نے ان کو سونگھا لیکن مجھے کوئی خوشبو محسوس نہیں ہوئی۔ شاید ۴۰۰ سال گزرنے کے بعد اسکی خوشبو ختم ہوچکی تھی۔ بہر حال یہ بادشاہوں کے یہ مقبرے جائے عبرت ہے ؂

قبر میں ایک روز جانا ہے　　　موت کو تو گلے لگانا ہے

ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ مقبروں کے اندر تصاویر اُتارنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے گائیڈ سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ چونکہ اُس دور کے مذہب میں تصاویر بنانا گناہ سمجھا جاتا تھا لہٰذا اُن کا خیال رکھنے کے لیے یہاں تصاویر اُتارنے پر پابندی لگائی گئی ہے۔ دورانِ سفر مقدونیہ سے تعلق رکھنے والا ڈرگی (Dragi) میرا رفیق رہا۔ میں نے اُس سے مقدونیہ اور وہاں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ مقدونیہ نے ۱۹۰۳ء میں سلطنتِ عثمانیہ سے ایک خونی انقلاب کے بعد آزادی حاصل کرلی تھی۔ اُس نے بتایا کہ ہمارے ہاں رہنے والے مسلمان تمہاری طرح نہیں ہیں۔ اُن میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں جس طرح ہم رہتے ہیں اُسی طرح وہ بھی رہتے ہیں، اگر آپ اُن کو مسلمان سمجھتے ہیں تو پھر میں بھی مسلمان ہوں۔ باتوں باتوں میں اُس نے بتایا کہ ہمارے شہر سکوپے (Skopie) میں ایک جگہ ہے جس کے اردگرد

تمام علاقے میں اُونچی اُونچی عمارتیں قائم ہیں لیکن وہ جگہ بالکل خالی ہے۔ کئی لوگوں نے کوشش کی کہ اس جگہ پر کوئی عمارت بنالیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ کبھی اُس میں کام کرنے والے اچانک مرجاتے ہیں اور کبھی وہ عمارت بیٹھ جاتی ہے۔ پچھلے سال ایک بڑی کمپنی نے وہاں ہوٹل بنانا چاہا آدھی بلڈنگ بن چکی تھی کہ اچانک ایک دن پوری عمارت زمین بوس ہوگئی۔ ہمارے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ ترکوں کے زمانے میں یہاں ایک مسجد تھی۔ ترک یہاں سے چلے گئے تو مقامی عیسائیوں نے مسجد شہید کردی اور وہ دن اور آج کا دن کہ یہاں پر کوئی عمارت نہیں بنا سکا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ ہم قربان کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا قربان کیا ہوتا ہے۔ اُس نے کہا کہ جب ہم نیا گھر بناتے ہیں تو پہلے اُس میں دنبہ ذبح کرتے ہیں اُس کا خون بہاتے ہیں اور پھر وہاں رہنے جاتے ہیں۔ اپنی باتوں کے دوران وہ ''شالا'' بھی کبھی کبھی بولتا۔ میں نے پوچھا یہ کیا کہتے ہو؟ کہنے لگا مجھے پتہ نہیں ہے لیکن جب ہمیں کوئی کام کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں کہ ''شالا'' ہوجائے گا۔ میرے ذہن میں فوراً آیا کہ یہ انشاء اللہ کو شارٹ کرکے بنا ہے۔ یقیناً ترکوں کی زبان کی باقیات ہیں جو ۱۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ اپنے معاشرے کی روداد سناتے ہوئے اُس نے کہا کہ ہمارا معاشرہ تباہی کی طرف رواں دواں ہے، لڑکے لڑکیاں شادی کرنے کو اپنی آزادی میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں۔ ہماری آبادی دن بدن کم ہورہی ہے۔ کہہ رہا تھا میرے دادا کے چار بچے تھے، میرے والد صاحب کے دو اور میرے بھی دو ہیں لیکن آگے کا پتہ نہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے والدین کیا کرتے ہیں اُس نے کہا کہ میرے والد فوت ہوچکے ہیں اور میری والدہ ایک الگ گھر میں رہ رہی ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمارے لوگ جب بوڑھے ہوجاتے ہیں تو کچھ لوگ حکومت کی طرف سے بنے ہوئے بوڑھوں کے ہاسٹل (Old age hostel) میں چلے جاتے ہیں اور کچھ اکٹھے ہوکر اپنے لیے ایک مکان کرائے پر لے کر اُس میں رہنا شروع کردیتے ہیں اور اپنے بچوں کو دیکھنے کے لئے کبھی کبھار چکر لگا لیتے ہیں۔ میری والدہ ہمارے گھر سے کافی دور ہمارے باغ میں بنے ہوئے ایک کمرے میں رہ رہی ہے۔ میں کبھی کبھار اُس سے ملنے کے لیے جاتا ہوں، اکثر وہ ہی آتی ہیں۔ وہ میرے بچوں کو بہت پیار کرتی ہیں لیکن میری بیوی اُس کو اپنے گھر میں رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے بیوی کو بہت راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تیار نہیں ہوئی کہنے لگی کہ اُس نے تو اپنی زندگی گزار لی ہے اب ہماری زندگی کیوں برباد کرتی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ میں نے بیوی سے کہا کہ ایک دن تمہارا بھی یہ حال ہوگا، تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں میں نے اپنے لئے جگہ دیکھ لی ہے تم بھی دیکھ لو۔ میں نے پوچھا کیا تم لوگ آخرت پر یقین کرتے ہو

۔اُس نے کہا کیا مطلب؟ میں نے کہا یعنی دوبارہ زندہ ہونے اور جنت دوزخ کو مانتے ہو۔اُس نے جواب دیا کہ ہاں جہاں تک مذہب کا تعلق ہے وہاں تک ٹھیک ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ سب (نعوذ باللہ) فضول باتیں ہیں۔بس ایک ہی زندگی ہے اس میں جتنے مزے کر سکتے ہو کر لو۔میں نے کہا یہ تو بالکل جانوروں کی زندگی ہوئی۔تو اُس نے کہا تو تمہارے خیال میں اب ہم کیا ہیں؟ ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ہماری باتوں کے دوران پرمود ہندو بھی شامل ہوا میں نے اُس سے پوچھا کہ ہندو مذہب میں شراب، زنا وغیرہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ جناب قیصر صاحب میں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا ہوا ہے اور دنیا کے تمام مذاہب میں شراب، زنا، جھوٹ، غیبت وغیرہ اچھی چیزیں نہیں سمجھی جاتی ہیں۔میں نے پوچھا سود کے بارے میں تمھارا مذہب کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ سود ہندو مذہب میں کاروبار مانا جاتا ہے اور اُس کی اجازت ہے۔پھر میں نے داڑھی کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ ہندو مذہب سمیت دنیا کے اکثر مذاہب میں داڑھی رکھنا لازمی ہے۔کہہ رہا تھا کہ ہمارے پنڈتوں کی بھی داڑھیاں ہوتی ہیں، انگریزوں کے آنے سے پہلے برصغیر میں داڑھی مونڈھنے کا رواج نہیں تھا یہ چیز ہمارے لوگوں نے انگریز سرکار سے سیکھی ہے۔

سری لنکا کا وکرمہ سوریا بھی ہماری گفتگو میں شامل ہوا اُس نے بدھ مت کے متعلق بتایا کہ بدھ مت کے پیروکار دن میں ایک مرتبہ (شام تقریباً ٦ بجے) بدھ کی مورتی کی پوجا کرتے ہیں۔کچھ لوگ مندر جاتے ہیں کچھ گھر میں کرتے ہیں اور مہینے میں ایک مرتبہ بودھ (Monk) کو گھر میں بلا کر اُس کی باتیں سنتے ہیں اور پھر اُس کو کھانا کھلاتے ہیں۔کہہ رہا تھا کہ ہمارے **Monk** ساری عمر صرف صبح ۵ بجے سے دن ۱۲ بجے تک کھاتے ہیں۔دن کے ۱۲ بجے کے بعد وہ کچھ نہیں کھاتے صرف پانی، شربت وغیرہ پیتے ہیں۔مزید بتا رہا تھا کہ سری لنکا میں ۷۵ فیصد بدھ مذہب کے پیروکار ہیں۔ہندوستان میں بھی کچھ ہیں، چین اور جاپان میں بدھ مذہب کے کافی پیروکار آباد ہیں لیکن سب سے درست سری لنکا والے ہیں باقی اپنے مذہب پر صحیح عمل نہیں کرتے۔چینی تو بالکل گمراہ ہوگئے ہیں۔میں نے پوچھا وہ کیسے؟ تو کہا کہ ہمارے مذہب میں مرد وعورت کا ملاپ صرف بچے پیدا کرنے کے لئے ہے اس کے علاوہ مرد وعورت کا ملنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔چینی ایک بچہ پیدا کر کے ساری عمر گناہ کرتے رہتے ہیں لہٰذا یہ تو بدھ مت ہو ہی نہیں سکتے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

تبصرۂ کتب:

نام کتاب: ذکرواذکار اور دعاء

مصنف: قاضی فضل واحد

کتابیں تو اکابرین نے لکھیں، پڑھی گئیں اور بعض کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے تا قیامت قبول فرمایا۔ ہماری طرح بے حیثیت کیا لکھیں لیکن قاضی صاحب نے خود ہی ان وجوہات کا تذکرہ کر دیا جن کی بنیاد پر ہماری طرح کے لوگوں کو بھی لکھنے کہ ہمت ہو جاتی ہے۔ جتنی دیر آدمی لکھتا ہے اتنی دیر عبادت میں شمار ہوتی ہے، سب سے پہلے اس تحریر کی طرف اپنا دل ودماغ متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں عمل کی ترغیب ہوتی ہے، جو وسائل تحریر پر خرچ ہوتے ہیں مستقل اجر وثواب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ آدمی کا اپنا خاندان، متعلقین، مریدین، مخلص دوست اور واقف کار اس تحریر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور غور سے مطالعہ کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دین کی تبلیغ چار طریقوں سے ہوتی ہے قلب، قالب، قول اور قلم۔ جن مشائخ کے قلوب رذائل سے پاک اور فضائل سے معمور اور تعلق مع اللہ میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے پاس آنے والے حضرات ان کا کلام سنیں یا نہ سنیں ان کے انوارات سے باطن میں نور داخل ہوتا ہے۔ قالب کا تعلق اعمالِ ظاہریہ سے ہے اور اعمالِ شرعیہ ظاہریہ قالب سے وجود میں آتے ہیں چنانچہ دیکھنے والے آپ کے ہاتھ پیر کے اعمال سے تأثر لیں گے۔ یہ دو باتیں اشاعتِ دین کے قوی ذرائع ہیں۔ اس کے بعد قول ہے، عمل کی بات قول کے ذریعے دوسرے تک پہنچائی جاتی ہے۔ کسی چیز کا جب تذکرہ شروع ہو جائے تو اس کے پھیلنے اور عمل میں آنے کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ قلم کا تذکرہ تو اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں فرمایا۔ قلم علوم کے محفوظ ہونے کا ذریعہ بنتا ہے، کتاب لکھنے والا قبر میں چلا جاتا ہے لیکن کتاب کے اوراق اس کے پیچھے صدقۂ جاریہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ کتاب لگ گئی اور اس کو چند منٹ بھی توجہ سے پڑھنے کی توفیق ہوگئی تو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ اگر اس کتاب کو کوئی ایک آدمی بھی نہ پڑھے تب بھی لکھنے والے کے اخلاص کے مطابق دربارِ الٰہی میں ایک قبول عمل کی صورت میں شمار ہو جاتی ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ ہر شبِ پیر اور شبِ جمعہ کو امت کے اعمال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ کئی حضرات کی رؤیائے صادقہ (سچے خوابوں) میں یہ بات آئی ہے کہ لکھی ہوئی کتاب دربارِ رسالت میں پیش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

قاضی فضل واحد صاب جہاں فارغ التحصیل عالم ہیں، درسِ نظامی پڑھے ہوئے ہیں اور مدارس کی پُرنور فضاؤں سے اپنا باطن معطر کیے ہوئے ہیں وہاں کالج اور یونیورسٹیوں کی بھی ساری قباحتوں کو بطور طالب علم پوری طرح دیکھے ہوئے ہیں۔

ایک طرف حضرت شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فقیر محمد صاحب (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)، مولانا اشرف سلیمانی اور تنظیم الحق حلیمی صاحب کی صحبت اٹھائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف NIPA (رورل اکیڈمی) میں بیوروکریٹس اور افسران کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہ کر وسیع تجربوں سے گزرے ہوئے ہیں۔

ان کی تحریر ان سب خصوصیات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی کتاب ''ذکرو اذکار اور دعاء'' کو قبول فرمائے اور ان کے لیے سرمایۂ دارین بنائے اور ہمارے لیے عمل کی ترغیب کا ذریعہ بنائے۔آمین

☆☆☆☆☆

فضائلِ شب برات

(۱) جو شخص پانچ راتوں میں (برائے عبادت) جاگے اس کے واسطے جنت واجب ہو جائے گی۔لیلۃ الترویحہ، لیلۃ العرفہ، لیلۃ النحر، عیدالفطر کی رات اور ۱۵ شعبان کی رات۔ ما ثبت بالسنہ میں امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں قبولیتِ دعا کی ہیں۔ جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غرّہ رجب کی رات اور نصف شعبان کی رات (فضائل رمضان مولانا زکریاؒ)

(۲) پندرھویں رات اور پندرھواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو جاگنے اور اس دن کو روزہ رکھنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس رات میں آپؐ نے مدینہ کے قبرستان تشریف لے جا کر بخشش کی دعا مانگی ہے۔تو اگر اس تاریخ میں مُردوں کو کچھ بخش دیا کرے چاہے قرآن شریف پڑھ کر، چاہے کھانا کھلا کر، چاہے نقد دے کر، چاہے ویسے ہی بخشش کی دعا کر دے۔

(بہشتی زیور: چھٹا حصہ)

☆☆☆☆☆

بعض نوتعلیم یافتہ کا ظاہری اصلاح ہی کو کافی سمجھنا اور اسی میں دین کو منحصر سمجھنا غلطی ہے۔

آج کل دین کی طرف سے ایسی لاپروائی ہے کہ خود تو دین کیا حاصل کرتے اُلٹا ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو دین کا نام لیتے ہیں، یہ کس قدر دین سے بُعد (دوری) کی دلیل ہے۔ اگر کسی کا خیال دین کی طرف ہے بھی تو صرف ظاہر کی اصلاح کا نام دین رکھ لیا ہے، نفلیں ذرا زیادہ پڑھ لیں، وضع قطع مسلمانوں کی سی بنالی، بس اس کا نام دین ہے، اُن کی نظر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتی۔ جب اس سے آگے نظر ہی نہیں پہنچتی تو اُن امراض کا علاج اور اصلاح کیسے ہو جو ظاہر کے علاوہ ہیں اور خطرناک بھی ہیں۔ تو اس کی خفا (پوشیدہ ہونا) کی وجہ سے ان میں اور دشواری پیدا ہوگئی، تو اب سمجھ لیجیے کہ یہ امور کس قدر قابل توجہ ہوئے پس اس حدیث

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لایستجیب الدعاء عن قلب لاہٍ

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان تمام امراض کی ایک اصل اور جڑ بیان کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ کس قدر قیمتی بات بیان فرمائی گئی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ دین کے دو جزو ہیں ظاہری اور باطنی۔ اب تو یہ حالت ہے کہ باطن کے نام سے بھی لوگ آشنا نہیں رہے، باطن کی جگہ بطن (پیٹ) لے لیا ہے۔ بس پیٹ بھر لیا جائے جس طرح بھی ہو حلال سے ہو یا حرام سے، دھوکہ سے ہو یا اشرافِ نفس کے ساتھ ہو، بلا طیب خاطر ہو یا جبر سے ہو، جس طرح بھی مل جائے لقمہ حاصل کر لیا جائے۔ ہاں بے شک ظاہر کو بعض نے ذرا درست کر لیا ہے اور بس۔ اس میں بھی دو فریق ہیں ایک تعلیم یافتہ اور ایک عوام۔ عوام تو اس بارے میں اقراری مجرم ہیں، خود اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ جی ہمارا کیا دین، الٹی سیدھی ٹکریں مار لیتے ہیں، دل دنیا میں لگا ہوا ہے، کسی وقت خدا کی یاد دل میں آتی ہی نہیں۔ خیر یہ بے چارے اقرار تو کرتے ہیں اپنے قصور کا۔ دوسرا گروہ جو تعلیم یافتہ ہے ان پر زیادہ افسوس ہے کہ وہ اپنے قصور کے بھی مُقر (اقرار کرنے والے) نہیں۔ ان کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ دین کا کوئی باطنی جزو بھی ہے۔ عوام کو اتنا خیال تو ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ دین رکھتے ہیں وہ محض ظاہری ہے اور باطن سے ہم محروم ہیں۔ اور یہ تعلیم یافتہ لوگ محروم ہونے کا نام بھی اپنے اوپر آنے نہیں دیتے کیونکہ شان میں فرق آجائے گا۔ انہوں نے باطنی جزو کو ذہن سے اڑا ہی دیا ہے بس ظاہر پر کفایت کر لی

اوراس پر ناز کر بیٹھے اور سمجھ گئے کہ ہم پورے دیندار ہیں اور پھر ظاہر میں سے بھی چھانٹ لیا ہے بعض اجزا کو گویا دین میں سے انتخاب در انتخاب کیا ہے اور اپنے نزدیک چند ضروری اجزاء نکال لئے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا دوسرے اجزاء نعوذ باللہ فضول اور زائد ہیں۔ اور انتخاب اُن اجزاء کا کیا ہے جن میں سہولت ہے یا جن کی عادت ہوگئی ہے۔ جیسے نام مسلمانوں کا سا رکھ لینا، صورت مسلمانوں کی سی بنالینا، بہت کیا تو نماز بھی پڑھ لی۔ بس انہیں اجزاء کا نام دین سمجھ لیا ہے۔ صاحبو! دین کے اجزاء تو یہ ہیں، عقائد، اعمال، معاشرت، معاملات، اخلاق، ان سب کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب یہ حالت ہے کہ ان اجزاء میں سے بعضوں کا تو نام سن کر بھی لوگ چونکتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں، بعض وقت زبان سے بھی کہتے ہیں کہ ان کو دین سے کیا تعلق؟ معاشرت بھی کوئی دین کے سکھلانے کی چیزیں ہیں؟ یہ تو آپس کے برتاؤ ہیں جو ملنے جلنے سے خود آدمی سیکھ جاتا ہے، اس پر بھی مولویوں نے پابندی لگادی ہیں۔ علیٰ ھذا۔ معاملات میں بھی ایسی باتیں کہی جاتی ہیں۔ غرض بعض اجزاء کو دین کا جزو ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بڑے اعمال دیانات تک رہ گئے ہیں اور وہ اعمال بھی سب نہیں ان میں سے بھی وہی لے لئے ہیں جن کی ایک رسم چلی آتی ہے اور جس کو بچپن سے عادت پڑگئی ہے چنانچہ بڑی دینداری یہ ہے کہ نماز پڑھ لی، داڑھی رکھ لی، شرعی پاجامہ پہن لیا، گوشت کھالیا، صورت، شکل، وضع مسلمانوں کی سی بنالی۔ یہ ان لوگوں کا انتہائی کمال ہے جو اپنے آپ کو دیندار کہتے ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو دیندار بھی نہیں کہتے ان کا تو یہاں ذکر ہی نہیں۔ غرض دین کے اجزاء میں ایسا انتخاب کیا ہے کہ اب خلاصہ کا بھی خلاصہ یعنی گویا جوہر نکل آیا، اور دین نام رہ گیا صرف گنتی کے چند اعمال کا اور وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ظاہر کے چند شعبوں کو درست کرلیا۔ غرض اس انتخاب میں بھی جو رہا وہ ظاہر ہی ظاہر رہ گیا اس کے سوا دوسری چیز یعنی باطن کا نام بھی نہیں آتا۔ بس اس ناتمام ظاہر کو بنا کر خوش ہیں کہ ہم دیندار ہیں۔

اس بیان سے ظاہر کو بگاڑنے والے خوش نہ ہوں کہ ہم تو دیکھئے باطن پرست ہیں۔ مسلمانوں میں اس خیال کے لوگ بھی بہت ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ظاہر کا درست کرنا باطن کے درست کرنے میں مخل ہے لہٰذا ظاہر کو ایسا بگاڑتے ہیں کہ یہ بھی نہیں پہچانا جاسکتا کہ یہ مسلمان ہیں، وضع قطع بھی مسلمانوں کی سی نہیں رکھتے بلکہ نماز بھی نہیں پڑھتے۔ یوں کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے نماز پڑھیں گے تو وہ ہمارا معتقد ہوجائے گا اور اس سے ہمارے نفس کو خوشی ہوگی تو یہ نفس پروری ہوئی۔ اس قسم کی بہت سی خرافات من سمجھوتا (اپنا دل لبھانے) کرنے کے لیے گھڑی ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے پھر ظاہر کی کیا ضرورت ہے؟ میرے ظاہر آرائی کی مذمت سے

احتمال تھا کہ یہ لوگ خوش ہوتے اس لیے کہتا ہوں کہ ان کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں ظاہر کی درستی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اس پر اکتفا کرنے کی مذمت کرتا ہوں تا کہ وہ اصلاح باطن کی فکر کریں محض اصلاح ظاہر پر قناعت نہ کریں۔ باقی ظاہر کی درستی بھی فرض ہے۔ اس لیے کسی کو یہ گنجائش نہیں کہ اصلاحِ ظاہر کو ترک کردے گو بالفرض باطن درست بھی ہو۔ لیکن ان بددینوں کا تو باطن بھی درست نہیں بلکہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے۔ ظاہر کو تو بگاڑا ہی ہے باطن کو بھی بگاڑا ہوا ہے اور یہ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے۔ اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ظاہر تو درست ہوتا، ایک ہی فرض ادا ہو جاتا۔ اگر ان لوگوں کی طرف سے کہا جائے کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ ہمارا باطن بگڑا ہوا ہے۔ باطن ہمارا بالکل اچھا ہے۔ ہم نے ظاہر کو باطن ہی کے درست کرنے کے لیے بگاڑا ہے اس سے باطن ہمارا بالکل اچھا ہو گیا پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہوا کہ انہوں نے باطن اور ظاہر دونوں کو بگاڑ رکھا ہے۔ میں بطور جواب الزامی کے کہتا ہوں کہ ایک شخص بادشاہ سے باغی ہے اور ہر ہر حکم کی مخالفت کرتا ہے اور کسی بات میں اطاعت نہیں کرتا، لیکن جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ تو کہتا ہے واللہ میں دل سے بادشاہ کا بڑا خیر خواہ ہوں یہ جو کچھ مخالفت میں نے کر رکھی ہے صرف عُجب سے بچنے کے لیے کر رکھی ہے تا کہ میرے خلوص میں فرق نہ آئے۔ بتایئے آپ اس کو کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ جھوٹا بدمعاش غلط کہتا ہے۔ فرمایئے اس کی کیا وجہ ہے کہ جب ایک شخص اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ میں دل سے مطیع ہوں اور خیر خواہ ہوں تو آپ اس کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں اور اس کو باغی کیوں سمجھتے ہیں؟ اب میں تحقیقی جواب کے طور پر کہتا ہوں کہ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ ظاہر عنواں ہوتا ہے باطن کا، جب ظاہر افعال اس کے مخالف ہیں تو اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا کہ باطن اس کا موافق اور مطیع ہے اور یہی کہا جائے گا کہ وہ واقع میں بھی مخالف اور باغی ہے۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب ایک شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ اس کا باطن درست ہے؟ ظاہر تو تابع ہوتا ہے باطن کے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ باطن درست ہو اور ظاہر میں اس کا اثر پیدا نہ ہو۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ ناممکن ہے کہ قلب میں کسی کی اطاعت ہو اور بغیر اضطرار کے ظاہر اس کا مخالف ہو۔ یہ تقریر تو بطور جملہ معترضہ کے درمیان میں آ گئی۔ اصل بیان یہ تھا کہ آج کل بہت سے دیندار ایسے ہیں جنہوں نے صرف چند اعمال کی درستی کو دین سمجھ لیا ہے۔ پھر صرف اعمالِ ظاہری لئے گئے ہیں اور وہ بھی بہت نہیں بلکہ معدودے چند۔ جیسے داڑھی بڑھا لی، نماز پڑھ لی، وضع قطع کو درست کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہم پورے دیندار ہو گئے۔ اس تقریر سے چونکہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ظاہر کا بنانا کچھ اچھی

چیز نہیں اور اس سے وہ لوگ خوش ہوتے جو ظاہر کو بگاڑتے ہیں اس لئے ان کی غلطی کو بیچ میں رفع کر دیا گیا۔

باقی اصل خطاب انہیں لوگوں کو ہے جو صرف ظاہر کے بنانے کو دین سمجھے ہوئے ہیں ان کو اپنے مرض کی خبر نہیں اور وہ مرض ہے بھی ایسا جس کی خبر ہونا دشوار بھی ہے اور جب خبر ہونا دشوار ہے تو اس کی اصلاح بھی دشوار ہے۔ خبر کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر کا بگاڑ تو محسوس ہوتا ہے لہٰذا خبر بھی آسانی سے ہوگی اور اصلاح بھی اس کی آسان، بس ذرا توجہ اور اردہ کی ضرورت ہے۔ بخلاف مرضِ باطن کے کہ اس کے مریض کو اسکی اطلاع تک بھی نہیں ہوتی، پھر اصلاح کیسے ہو۔ جب اس مرض کی مریض کو بھی خبر نہیں ہوتی تو دوسروں کو کیسے خبر ہوگی! کیونکہ وہ دوسروں کو نظر تو نہیں آتا اور بدگمانی کی کسی کو اجازت نہیں تو اس حالت میں دوسرا اس مرض کو سمجھے تو کیسے سمجھے! لہٰذا یہ مرض نہایت دشوار ہوا۔ پس مریض خود علاج کرے تو کیسے کرے اور دوسرا آدمی علاج کرے تو کیسے کرے کیونکہ اطلاع مفقود ہے اور وہی شرطِ علاج ہے اور اگر کسی مریض کو اپنے اس مرض کی اطلاع ہوتی بھی ہے تو اس کے ساتھ ایک مرض اور بھی لگا ہوا ہے تو جیہہ اور تاویل کا (ظاہری مطلب سے کسی بات کو پھیر دینا)، کہ اس کو کھینچ کھانچ کے مرض کی حد سے نکال لیں گے اور نا جائز کو جائز بنالیں گے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی دین کا احساس قلب میں ہے تو قلب میں اس تاویل سے ہرگز بشاشت نہیں ہوتی بلکہ قلب میں اسی کا اقرار رہے گا کہ یہ گناہ ہے، پھر جب خود ہی کو گناہ ہونے کا علم ہے تو اللہ تعالیٰ کو تو کیسے علم نہ ہوگا۔ تو پھر اس توجیہہ اور تاویل (سے کیا کام چلا۔ خدا کے سامنے تو گنہگار ہی رہے، ظاہر بینوں کی نظر میں سرخرو ہوگئے تو کیا۔

کار ہا باخلق آری جملہ راست　　　باخدا تزویر وحیلہ کے رواست

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ سارے کام ٹھیک کرتے ہو تو خدا تعالیٰ کے ساتھ حیلہ ومکر کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

ظاہر کے بنانے سے دنیا تو دھوکہ میں اس واسطے آگئی کہ ان کی نظر صرف ظاہر تک ہے۔ مگر باطن کو بگاڑ کر خدا کو دھوکہ کیسے دوگے، جب کہ خدا کی نظر باطن تک بھی پہنچتی ہے۔ دنیا کی نظروں کے سامنے تاویلیں کر کے سرخرو ہوگئے تو کیا ہوا، تاویل سے اصل واقعہ تھوڑا ہی بدل جاتا ہے، حق تعالیٰ کو تو اصل واقعہ کا علم ہے۔ تاویل میں ایک بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی برائی پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اصل گناہ تو مرض تھا ہی یہ تاویل کا مرض اس سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ نہ ہو تو گناہ ایسی چیز ہے کہ اس سے طبائع سلیمہ نفرت ہی کرتی ہیں تو امید ہوسکتی ہے کہ کبھی اس سے تنبہ ضرور ہو جائے گا لیکن جب تاویل درمیان میں آگئی تو گناہ کی برائی پر پردہ پڑ گیا اب تنبہ (آگاہی) ہو تو کیسے ہو۔ اس حالت میں دوسرا آدمی تو اس وجہ سے تنبیہ نہیں کر سکتا کہ وہ ظاہر کو

درست پاتا ہے کوئی برائی اس کی نظر میں نہیں اور خود متنبہ اس واسطے نہیں رہا کہ مرض پر تاویل کا پردہ پڑ گیا، تنبیہ اور تنبہ سب اڑ گئے اب اصلاح کی کیا امید ہو۔ دیکھئے کس قدر دشواری ہے باطن کی اصلاح میں، بعض وقت یہ ظاہر کو بنانے والے ایک اور طرح فیصلہ کرتے ہیں کہ اس میں تاویل کی بھی ضرورت نہیں اور نفس کا مطلب حاصل رہتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے عیوب کو بھی جانتے ہیں اور ان میں کچھ تاویل بھی نہیں کرتے۔ اس لیے اس بات کو مانتے ہیں کہ ہمارے اندر یہ عیب ہیں لیکن ساتھ ساتھ اپنے کمالات کو بھی یاد کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کمال بھی تو ہم میں موجود ہیں علم ہے، عمل ہے، نماز ہے، روزہ ہے۔ جب اتنے کمال موجود ہیں تو وہ عیوب بھی مضر نہیں۔ فیصلہ غلبہ سے ہوتا ہے اور بھلائی زیادہ ہے برائی کم تو بھلائی ہی کا حکم ہوگا۔ اس صورت میں کسی تاویل کی ضرورت بھی نہیں رہی اور اچھے بن گئے اور سب بات قاعدہ کے اندر رہی۔ یہ فیصلہ ذہن کا سب سے بڑا کمال رہا۔ اس سے بات بھی وہی کی وہی رہی اور دل کو اچھی طرح سمجھا لیا کہ ہم اچھے ہیں۔ یہ ایسی مدلل تقریر ہے کہ اس کا جواب دینا بھی مشکل ہے۔

اے صاحبو! دل کو سمجھانا جب کافی ہے کہ ہمارا دل قیامت کے روز فیصلہ کنندہ قرار پاوے مگر قیامت میں تو فیصلہ دوسرے کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ حقائق کے موافق فیصلہ کریگا اور اس روز دل کے سمجھا لینے سے کچھ کام نہ چلے گا اور حقائق کے ظہور کے وقت ممکن ہے کہ آپ کا غالب تو مغلوب ہو اور مغلوب غالب ہو۔ دوسرے میں کہتا ہوں کہ آدمی کو ضرورت تو اصلاح کی ہے اور ان عیبوں کے دور کرنے کی جو اس کے اندر ہیں۔

تو کیا اس دل کے سمجھا لینے سے ان عیبوں کی اصلاح ہوگئی؟ ہرگز نہیں بلکہ جیسے تاویل سے ان عیبوں پر پردہ پڑ گیا تھا اس طرح اس فیصلے سے بھی پردہ پڑ گیا۔ تاویل بھی ایک مرض ہے وہ ایک قسم کا پردہ تھا یہ دوسری قسم کا پردہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ بھی ایک قسم کی تاویل ہی ہے۔ اس میں اور اس میں اتنا فرق ہے کہ اس تاویل کا حاصل یہ تھا کہ گناہ کو گناہ تسلیم نہ کیا تھا اس وجہ سے نفس پہ دھبہ نہ آیا۔ اس تاویل میں اس سے بھی بڑھ کر کمال ہے کہ گناہ کو گناہ رکھا اور نفس پر دھبّہ اب بھی نہ آیا۔ خیال کر لیجئے کہ یہ کس قدر گہری تاویل ہے۔ بہرحال اتنی لمبی تقریر سے یہ بات ذہن میں آ گئی ہوگی کہ امراضِ باطن کا ادراک نہایت دشوار ہے کیونکہ اتنے موانع موجود ہیں اور پردوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جب اس کی اطلاع دشوار ہے تو ظاہر ہے کہ علاج بھی دشوار ہے۔ کیونکہ مرض کا علاج تو جب ہی ہوسکتا ہے جب مرض کی خبر ہو اور جب خبر ہی نہیں تو علاج کیسا۔ اس دشواری کو دیکھ کر بعض لوگوں نے تو ہمت ہار دی ہے کہ کون علاج کرے ہمارے اندر امراض ہیں تو

بلا سے ہوں، اللہ میاں بڑے کریم ہیں ہم گنہگار سہی اللہ میاں معاف کرنے والے ہیں پھر کیوں مصیبت میں پڑیں کہ اصلاح کرنے والے کو تلاش کرو، اس کے نخرے اٹھاؤ، ہر وقت اسی اُدھیڑ بن میں رہو، اچھی خاصی مصیبت ہے۔ جب اللہ میاں رحیم و کریم ہیں تو کیا ضرورت ہے اس مصیبت کو اٹھانے کی، وہ اپنی رحمت سے خود ہی سب کام بنادیں گے۔ یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جو دیندار بننا چاہتے ہیں اور کوئی کام خلافِ شریعت کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے ذہن میں نماز کی بھی ضرورت ہے، روزے کی بھی ضرورت ہے، داڑھی کی بھی ضرورت ہے مگر قلب کی طرف کبھی ان کو توجہ نہیں ہوتی کہ اس کے بھی کسی مرض کی اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ پس سن لیجئے کہ قلب میں بھی کچھ امراض ہیں اور انکے دور کرنے کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے جیسا ظاہر کو سنوارنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ میں نے طویل تقریر سے ثابت کر دیا۔

(معارف حکیم الامتؒ: ڈاکٹر عبدالحئیؒ)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محبّ الدّین صاحب ولایتی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مجاز تھے اور بڑے صاحبِ کشف تھے۔ ایک دفعہ ان کو خیال ہو کہ حدیث میں ایسی دو رکعت نماز، جو کامل وضو کر کے پڑھی جائے اور اس میں حدیثِ نفس (کوئی خیال) نہ ہو، کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ انھوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں، لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسے ہی پڑھ لیں چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ خطرات اکثر آتے ہیں تو ان کو روکنے کے لیے انھوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں تا کہ یکسوئی حاصل ہو جائے۔ پھر ہَوس ہوئی کہ دیکھیں عالمِ مثال میں اس نماز کی کیا شکل ہو گی۔ متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی کہ نہایت حسین و جمیل، سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ، آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے دیکھا تو ان میں روشنی نہیں تھی۔ ان کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ گو انھوں نے تفصیل بیان نہیں کی تھی کہ آنکھیں بند کر کے پڑھی تھی لیکن حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے دفعِ خطرات کے لیے آنکھیں بند کر لی ہوں گی۔ انھوں نے عرض کیا جی ہاں آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تا کہ خطرات پیدا نہ ہوں۔ حضرت نے فرمایا چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اس لیے یہ صورتِ نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ زیادہ مقبول ہوتی۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

رمضان المبارک کس طرح گزاریں

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًاo(مزمل:۴)

ترجمہ: قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو(کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)۔

ترتیل سیکھنا ضروری ہے۔اور ترتیل کے خلاف پڑھنے کو لحنِ جلی کہتے ہیں، لحنِ جلی کا پڑھنا سننا حرام ہے،اور حرام گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔لحن جلی اس کو کہتے ہیں کہ ''ق'' کی جگہ ''ک'' پڑھ لے ''ح'' کی جگہ ''ھ'' پڑھ لے اور ''ث'' ''س'' اور ''ص'' میں فرق نہ کرے۔لحنِ خفی اظہار، اخفاء کی باریکیوں کے خلاف پڑھنے کو کہتے ہیں،اس کا پڑھنا سننا مکروہ ہے۔ایک جگہ حافظ تراویح کا ختم سنا رہا ہو اور لحن خفی پڑھ رہا ہو اور دوسری جگہ تجوید والا ہو لیکن صرف آخری دس سورتیں تراویح میں پڑھ رہا ہو لیکن لحن جلی اور لحن خفی سے بچ کر پڑھ رہا ہو تو الم تر کیف والے کے پیچھے تراویح پڑھنا حافظ کے پیچھے ختم سننے سے افضل ہے۔میں نے یہ مسئلہ مفتی عبد الطیف صاحب سے پوچھا تھا جو کہ دارلعلوم سرحد کے بڑے مفتی تھے اور بہت قابل آدمی تھے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

جو آدمی تجوید سیکھ سکتا ہو تو اس کے ذمہ ہے کہ تجوید سیکھے۔ہاں اگر ایسی عمر کو پہنچ گیا ہے کہ اب اگر کوشش کرتا ہے تو بھی نہیں سیکھ سکتا تو ایسے آدمی کو رخصت ہے، جیسا اس کو آتا ہے ویسا ہی پڑھے انشاء اللہ قبول ہو گا۔ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تجوید کے مطابق نہیں پڑھ سکتے تھے،اُس زمانے میں تجوید کا رواج ہی نہیں تھا۔بعد میں ۱۹۶۹ء میں جب ان کی عمر چوالیس سال کی تھی تو ایم۔اے اسلامیات کے ایک طالبعلم فیوض الرحمٰن (جو بعد میں بریگیڈیئر رٹائر ہوئے) سے تجوید سیکھتے رہے ہیں۔اللہ کا تعلق اس کو کہتے ہیں۔اب ترتیل اور بغیر ترتیل سے پڑھنے کی میں آپ کو ایک مثال دوں کہ رحمان بابا کا شعر ہے اس کو میں بڑے ترنم سے پڑھوں ؎

گورا سی کردگر دے رب زمه چه صحب دے کل اختیردے رب زمه

تو پٹھان آدمی کو بہت برا لگے گا۔لیکن اگر بغیر ترنم کے اس طرح پڑھوں

گورا ہسے کردگار دے رب زما چه صاحب د کل اختیار دے رب زما

تو پٹھان آدمی کو مزہ آئے گا، حالانکہ نہ ترنم ہے، نہ خوش الحانی ہے لیکن پشتو کی قرأت کے مطابق

پڑھا گیا۔ اگر ''کردگار'' کو میں نے ''کردگر'' کہہ دیا اور ''اختیار'' کو ''اختیر'' کہہ دیا تو کتنا ترنم سے میں کیوں نہ کہوں پٹھان آدمی کو مزہ نہیں دے گا کیونکہ پشتو کی تجوید کے مطابق نہیں ہے۔ ایسے ہی جب قرآن پاک تجوید کے خلاف پڑھا جاتا ہو تو کتنے ہی سُر سے کیوں نہ پڑھا جائے اہلِ تجوید اور اہلِ عرب جن کی عربی مادری زبان ہے کو بالکل لطف نہیں آئے گا۔ جب پڑھنے والے اپنی طرف سے جتنا ان کے بس میں ہے کوشش کر کے پڑھ لیتے ہیں تو جو کمی اس میں رہ گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پڑھے ہوئے کلام کو ملائکہ کے ذریعے درست فرماتا ہے اور پھر وہ آسمان کی طرف چڑھتا ہے قبول ہونے کے لیے۔ شاہی کلام ہے تو اس کو شاہی دربار میں ایسے حال میں لے جایا جاتا ہے جیسا شایان شان اس کو پڑھنے کے لیے کہا ہوا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت مہربان ہیں غفور الرّحیم ہیں ایسی سختی نہیں کرتے کہ انسان برداشت نہ کر سکیں۔ جیسے ان کے بس کے مطابق ہو گیا، جتنا انھوں نے کر لیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں۔ اگر صحیح طریقے سے پڑھا جائے تو اس میں بڑا لطف ہے۔ قرآن پاک کے پڑھنے کا اعزاز اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو نہیں عطا کیا ہے۔ ذکر کا اعزاز دیا ہوا ہے کہ:

'' نَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِ كَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ: ۳۱)

ترجمہ: ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

تسبیح اور ذکر کرنے کا اعزاز تو فرشتوں کو ملا ہے لیکن تلاوت کا اعزاز نہیں ملا ہے اس لیے فرشتے جماعت کی نماز میں قرآن کو سننے کے لیے آ کر شامل ہوتے ہیں۔ اور جب تہجد میں آدمی قرآنِ پاک پڑھتا ہے تو فرشتے آ کر اس کے ہونٹوں کو چومتے ہیں۔ رمضان کو خاص مناسبت ہے قرآن پاک سے۔ آتے ہوئے خیال تھا کہ رمضان کے بارے میں بات کریں گے۔ رمضان ایک شارٹ کورس ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

ترجمہ: تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

اب جمناسٹک والوں کو کہتے ہیں کہ آپ کو ہم ایسا کورس کرائیں گے کہ جس کے نتیجے میں آپ ہوا میں قلابازیاں کھائیں گے۔ چار فٹ اونچی رکاوٹ ہو گی اس کو تم قلابازی کھا کے پار کرو گے۔ جمناسٹک کے تماشے آپ نے دیکھے ہوئے ہیں ناں؟ بڑے عجیب وغریب کرتب ہوتے ہیں جمناسٹک کو سیکھنے کے لیے ہمارا

ڈرل ماسٹر صاحب گیا تھا۔ جب ہم سکول میں ہوتے تھے تو ہائی سکول میں جمناسٹک آ گئی تھی اس سے پہلے نہیں تھی۔ ہمارا ڈرل ماسٹر صاحب چالیس دن کے لیے سکول سے غائب ہو گیا پریڈ وغیرہ بھی کوئی دوسرا آدمی کراتا تھا جسے صحیح طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ ہم نے کہا کہ ڈرل ماسٹر صاحب کہاں چلا گیا؟ انھوں نے کہا کہ وہ جمناسٹک سیکھنے کے لیے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ پہلے تو ایک مہینہ ہمیں دوڑاتے رہے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ چالیس چالیس سال ان کی عمر ہے اور ان سے اگر اسی طرح قلابازیاں کروائیں تو ان کے پٹھے ٹوٹ جائیں گے اور جوڑ ہل جائیں گے۔ چالیس دن میں انھوں نے ہمارے جوڑوں کو پٹھوں کو اور نسوں کو اس کے مطابق فٹ کیا، پھر قلابازیاں کھلوائیں۔ تو شارٹ کورس میں پہلے دوڑانا، پٹھے درست کرنا پھر چھلانگیں لگانا کرتے ہیں۔ اس کے لیے سیکھنا ہوتا ہے، پہلے دوڑتا ہے آدمی پھر چھلانگیں لگاتا ہے پھر اس کو ذرا اونچا کرتے ہیں اس طرح کرتے کرتے وہ لکڑی کے گھوڑے سے پار ہو جاتا ہے۔

تو اس شارٹ کورس میں کتنے اعمال ہیں الطاف صاحب؟ چھ اعمال ناں! (۱) روزہ (۲) تراویح (۳) کثرتِ ذکر اور تلاوت (۴) فسق و فجور اور گناہوں سے پرہیز کرنا (۵) اعتکاف اور (۶) صدقۂ فطر۔ یہ چھ اعمال کرنے ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں آدمی کو تقویٰ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ''لعلکم تتقون'' حاصل ہوتا ہے۔ روزے میں تین باتیں تو بنیادی ہیں کھانا پینا اور خواہش نفس کا چھوڑنا، ان کے بغیر تو روزے کا ظاہری ڈھانچہ بھی نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایسے گناہِ کبیرہ ہیں کہ ان کے ہو جانے سے روزہ ایسے تو نہیں ٹوٹتا کہ دہرانا پڑے لیکن روزے کا کچھ اجر و ثواب نہیں ہوتا اور روحانی طور سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی برکت کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ غیبت، چغلی، جھوٹ، حرام کھانا پینا۔ اس کے بعد مکروہات ہیں، آنکھ کے مکروہات، زبان کے مکروہات، کان کے مکروہات ان سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ ایک ایکسین صاحب کا لطیفہ تو میں نے آپ کو سنایا تھا ناں کہ حج کے دوران غار حرا سے ہم اتر رہے تھے کہ میرے ساتھ ایک میرا کلاس فیلو ایکسین صاحب تھا، مجھے کہنے لگا کہ '' فدا رستو گورا کنہ'' (پیچھے تو دیکھو ذرا) میں نے کہا '' کیوں جی؟ اس نے کہا بڑی خوبصورت لڑکی آ رہی ہے۔ میں نے کہا اللہ کے بندے حج میں آئے ہوئے ہو، یہاں تو کچھ پرہیز کرو ناں، ایک مہینہ تو صبر کر لو ناں۔ خیر وہ خاموش ہو گیا۔ اب ہم نیچے اتر رہے ہیں۔ وہ عورت اور اس کا خاوند صحتمند تھے ہم سے آگے اتر گئے۔ تو مجھے کہتا ہے کہ '' یہ تھی ''۔ میں نے کہا کہ اچھا اس کے ساتھ اتنا ہٹا کٹا اس کا خاوند اتنی داڑھی کے ساتھ جا رہا ہے اس کو اگر پتہ چلے تو تمہاری ہڈیاں توڑے گا اور تمھیں ٹھیک کر کے رکھ دے

گا......مسکراہٹ......مجھے کہتا ہے، نہیں میری کوئی غلط نیت تو نہیں تھی just for the sake of appreciation بس ذرا سراہنے کے لیے۔

تو آنکھ کی پرہیز ہے، کان کی پرہیز ہے، زبان کی پرہیز ہے۔ پھر دل کا روزہ ہے کہ دل میں فاسد خیالات کی لہریں نہ چلیں۔ اب مثلاً ایک میڈیکل طالبعلم ہو (اس مجلس میں میڈیکل طلباء بیٹھے تھے) کلاس سے آکر اکیلا بیٹھا۔ اس کو نفس کہہ رہا ہے اچھا آج فلانی کیسی تھی تو یہ جواب میں نفس کو کہتا ہے کہ اس کی شکل ایسی تھی، رُخسار ایسے تھے، ہونٹ ایسے تھے، ناک ایسی تھی، آنکھیں ایسی تھیں۔ اب یہ دھیان جمائے ہوئے مراقبہ کر رہا ہے۔ مراقبہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، آپ سب لوگ سارا دن کرتے رہتے ہیں۔ الطاف صاحب مراقبہ کرتا رہتا ہے کہ دانیال (ان کا بیٹا) کا پرچہ شروع ہو گیا ہے، پتہ نہیں کیسا ہوا ہوگا اللہ کرے کہ اچھا ہو جائے گویا اپنے بیٹے کا مراقبہ اس کو حاصل ہے۔ یہ مراقبہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ تو روزے میں قلب کو فاسد خیالات کی لہر چلنے سے بچانا ہے، ہر وقت بچانا چاہئے لیکن روزے میں خاص طور سے بچانا ہے۔ اس سے آگے بڑھتے ہوئے قلب کو غیر اللہ کے دھیان سے خالی کرنا ہے اور پورا روزہ دھیانِ الٰہی میں ڈوبے رہنا ہے۔ دل کا روزہ ہوتا ہے، روح کا روزہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ مولانا زکریاؒ نے لکھا ہے کہ سرِ خاص کا روزہ ہوتا ہے۔ انسان کے اندر ایک خاص آخری راز ہے۔ سرِّ خاص تو ہر انسان کا ہے، کسی کا چوہا بلی ہے، کسی کا مکان دکان ہے، کسی کا کھیت کارخانہ ہے، کسی کا بیٹا بیٹی ہے، کسی کا زوجہ بیوی ہے، کسی کا دوست اور دوستنی (لڑکی) ہے۔ آخری چیز جو اس کی آخری یاد میں ہے کیا ہے؟ وہی اس کا سرِّ خاص ہے۔ جب آپریشن کے بعد آدمی کا نشہ اترتا ہے اور پورا ہوش میں نہیں ہوتا تو اس وقت وہ کچھ بولتا ہے۔ اس وقت یہ وہ بولتا ہے جو اس کے اندر سرِّ خاص میں ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس بول پر پھر بڑے لطیفے بنتے ہیں۔ روزے میں بھی اللہ والوں نے تفصیلات بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آگے بڑھنے کی اور سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جتنا فہم ہوتا ہے آدمی سیکھتا ہے اور پھر نفس پر قلب پر پابندی لگاتا ہے۔ روزہ اصل میں اپنے آپ کو پابند کرنا ہے، تین پابندیاں ظاہری یعنی کھانا، پینا اور خواہشِ نفس، چار پابندیاں ضروری جھوٹ، غیبت، چغلی اور حرام غذا سے بچنا، تین پابندیاں آنکھ، کان اور زبان کی اور آگے پھر باطنی پابندیاں ''افضل صاحب وائی اس بہ ورتہ ٹینگ شے، سنگا نزدے کیگے لا گرانیگی سنگا نزدے کیگے لا گرانی گی '' (افضل صاحب (مجلس کا ایک شریک) کہتا ہے کہ اب اس کے آگے ٹھہر سکو گے، جتنا نزدیک جاتے ہوا تنا ہی مشکل ہوتا جاتا ہے۔) ہمارے

گاؤں میں ایک لطیفہ ہے کہ پہاڑوں کے دامن میں ایک قوم آباد ہے جو بالکل اَن پڑھ ہے دین کے لحاظ سے ان کا ذہن اچھا ہے۔کوئی امام صاحب گئے تو ان کو بڑی کوشش کر کے نماز پر کھڑا کیا۔ایک ان میں سے غیــر المغضوب تک سیکھ گیا لیکن ولا الضالین نہ سیکھ سکا۔آخر استاجی کے پاس آ گیا کہ اگر میرا یہ سبق تبدیل کر دو تو بڑا اچھا ہوگا۔اس کے دوسرے دو ساتھیوں نے بڑی کوشش کر کے سیکھا لیا تھا۔یاد تو کر لیا تھا لیکن جب نماز پر کھڑے ہوئے تو بھول گئے۔ایک دوسرے کو کہنی مار کر کہتا ہے ''غیرال دے پچھے کے اے'' (غیرال کے بعد کیا ہے؟) دوسرا کہتا ہے مغضوبے وے مغضوبے'' (مضغوبے ہے)۔ان دو کی نماز تو ہوگئی، انھوں نے نماز کو ٹپا دیا۔تیسرا جو تھا وہ کہتا ہے مجھ سے تو نہیں ہوتا اور استاد جی کے پاس گیا اور کہتا ہے غیرال کے پیچھے جو ہے اس کو بدل دو تو میں بھی سیکھ جاؤں۔تو افضل صاحب کہتا ہے ''منگا خو غیر ال دے پچھے کے والا او (ہم تو غیرال دے پچھے کے والے ہیں) تو بَرَہ عرشونو تہ رسولو خبرِ کوے (آپ عرش تک پہنچانے کی بات کرتے ہیں) اُوس خو گھیر شوے او ''(خیراب گھیرے میں آ گئے ہیں۔)

تو رمضان میں روزہ ہے پھر اس کے ساتھ کثرت تلاوت، کثرت ذکر، تراویح میں کھڑا ہونا تراویح کو اتنا لمبا کرنا کہ ذرا بدن تھکے، درد ہو، تاکہ روح پر اثر آئے۔صحابہ کرام جب بوڑھے ہو گئے اور جہاد میں آمد و رفت کم ہو گئی اور علاقے بھی بہت فتح ہو گئے تو پھر انھوں نے ساری ساری رات تراویح میں کھڑے ہو کر قرآن سنا ہے، بڑھاپے کی وجہ سے قیام نہیں کر سکتے تھے تو لاٹھیاں ٹیک کر کھڑے ہوتے تھے۔تو تراویح بڑی ذوق و شوق کی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اعتکاف میں بیٹھنا چاہئے۔صدقۂ فطر ادا کرنا مالداروں کے لیے لازمی ہے ،آخری عشرہ شروع ہوتے ہی صدقۂ فطر ادا کر دیا کریں تاکہ غرباء عید کی خوشی میں شامل ہو جائیں۔رمضان میں خاص طور سے غرباء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کچھ صدقہ خیرات ضرور کریں۔انسان بہت تکلف میں ہیں بعض لوگوں کو کھانا نہیں ملتا ہے اور بیچارے بہت تکلیف میں ہیں ۔ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے گھروں سے صدقہ و خیرات رمضان میں نکالیں ورنہ پھر مصیبتیں ہوں گی ، پریشانیاں ہوں گی ۔جب وہ آدمی آہ نکالتا ہے جو بھوک پیاس میں ہوتا ہے تو سارے محلے پر مصیبت آتی ہے۔یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جب زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی کوئی آدمی حالتِ اضطرار میں رہ گیا ،اس کے پاس کھانا پینا نہیں ہے،بدن ڈھانکنے کا کپڑا نہیں ہے، بیمار ہے علاج کے لیے بندوبست نہیں ہے تو پھر مالداروں کے ذمے یہ بات فرض ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ اور صدقہ نکالیں

۔اس میں علماء نے کچھ آسانی بھی بیان کی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے یعنی کسی نے بھی نکال دیا تو سب چھوٹ جائیں گے ورنہ سب پر وبال آئے گا۔اگر کسی نے اس آدمی کو اضطرار سے نکلنے کے لیے قرض دے دیا تو بھی ان کی جان چھوٹ گئی، کسی وقت اس کو اللہ نے آسودہ کیا اور اس نے لوٹا دیا تو اچھی بات ہے۔ہم نے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں آپریشن کیے اور وارڈ میں شام کا راؤنڈ کر رہے تھے تو ایک پولیس کانسٹیبل تھا جو کہ تبلیغ میں چلہ لگایا ہوا تھا اور باشرع تھا میرا واقف بھی تھا آپریشن کے بعد اس کو دوائیاں لکھ کر دی تھیں ان کا میں نے پوچھا کہ آپ نے دوائیاں لی ہیں تو وہ خاموش ہو گیا۔میں نے اس پر غصہ کیا کہ دوائی نہیں لی ہے تیرا زخم خراب ہو گا سپٹک ہو گا اور اس میں پیپ ہو جائے گی تو پھر کیا کریں گے؟ وہ پھر بھی نہیں بولا۔اب صبح کے راؤنڈ میں پھر پوچھا تو پھر وہی حال ہے اسی طرح ڈھیٹ بنا ہوا ہے آگے سے کوئی جواب نہیں دیتا۔خیر اللہ کی شان کہ اس کا زخم سپٹک نہیں ہوا اور ٹھیک ہو گیا۔ٹھیک ہونے کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے مجھ پر غصے کیے تھے اور آپ کہتے تھے کہ تو نے دوائی نہیں لی ہے۔آپ کو پتہ ہے کہ دوائی میں نے کیوں نہیں لی تھی! میں نے کہا مجھے کیا پتہ۔تو اس نے کہا کہ میں اتنے تنگدستی کے حال میں ہوں کہ میں دوائی نہیں خرید سکتا تھا اور اب میں اس بات کے لیے آیا ہوں کہ آپ کے کوئی پرانے کپڑے ہوا کریں، آپ کے بچوں کے ہوں یا آپ کی گھر والی کے ہوں وہ آپ ہمیں دے دیا کریں تا کہ ہماری گزر اوقات ہو۔میں نے کہا کہ آپ پر جب بھی تکلیف ہو آپ ہمارے پاس آیا کریں۔میرے پاس کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا میں ادھر ادھر کہہ سن کر کچھ نہ کچھ کر لیتا ہوں کیونکہ اگر آدمی آیا اور اس کی ضرورت پوری نہ کی تو وبال آجاتا ہے، معاشرے میں آدمی اضطرار میں ہوں اور ہم کھا پی رہے ہوں کتنے ظلم کی بات ہے۔خیر وہ آتا جاتا تھا، پھر کافی عرصہ کے لیے غائب ہو گیا۔عرصہ بعد جب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی ہڈیاں جو نکلی ہوئی تھیں وہ گوشت سے ڈھک گئی تھیں اور جلد بھی ذرا چمکدار ہو گئی تھی۔ آتے ہی اس نے کہا کہ آج میں کچھ سوال کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں، آپ پریشان نہ ہونا۔اللہ مجھے سعودی عرب لے گیا، مجھے آسودہ کیا اور اب میں اس لیے آیا ہوں کہ میرے بیٹے دسویں پاس کریں گے، میں یہاں نہیں ہوں گا ان کو کسی کالج میں داخل کروا دینا، میری گھر والی لے کر آئے گی۔میں نے کہا فکر نہ کریں انشاء اللہ میں کرا دوں گا۔تو ایسے حال میں لوگ ہوتے ہیں۔تو کیا مرتضیٰ صاحب (ایک شریک مجلس) آپ نے گاؤں محلے میں نکل کر ایسے لوگوں کو ڈھونڈا ہے؟ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کہے گا اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ دیا، اور میں بیمار تھا تو میری عیادت کو نہ آیا۔ (باقی صفحہ ۱۴ پر)